ہندویت - ایک تحقیقی مطالعہ

محمد جہانگیر تمیمی

ماحصل (Abstract)

ہندویت (Hinduism) کا تاریخی ارتقاء ویدوں کے عہد (Vedic Period) سے شروع ہوتا ہے جو ۱۵۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بیان کیا جاتا ہے۔ تقریباً یہ وہی دور ہے جب آریا قوم، وسط ایشیاء سے نکل کر ہندوستان میں وارد ہوئی تھی۔ یہ وید تعداد میں چار ہیں اور ان میں آریاؤں کے مذہبی عقائد و نظریات کو مدون کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کا ابتدائی فکر و فلسفہ ویدوں کے انہیں اساطیری (Mythical) ادب کا مرہون منت ہے۔ جبکہ ہندویت کا رزمیہ عہد (Epic-Period) ۶۰۰ قبل مسیح کے دورانیہ کا عہد بتایا جاتا ہے۔ اس دور کو ہندوستان کی عظیم رزمیہ نظموں ''مہا بھارت'' اور ''رامائن'' کی وجہ سے تاریخ میں منفرد مقام حاصل ہے۔ جس کا حاصل کتاب ''بھاگوت گیتا'' ہے اس کے علاوہ ''منوسمرتی'' ہے جسے ہندوؤں میں مذہبی تقدیس کا درجہ حاصل ہے۔ ان کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کریں، تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ چاروں ویدوں کے منتر، بھاگوت گیتا کے اشلوک اور منوسمرتی کے ادھیائے میں روحانیت کم اور مادیت کا غلبہ فراواں ہے۔ یہاں تک کہ اس کی دیو مالائیت اور ضمیات (Mythology) کے مجہول عقائد اور اس میں بھی تنوع، پھر مادہ اور روح نیز مکتی (نجات) کی تثلیث سے جورو یہ اور مقصد حیات ابھر کا سامنے آتا ہے وہ بھی مادہ پرستانہ نقطہ نظر کا حامل ہے اس لیے مادی اغراض و مقاصد کی خاطر مادی (پتھر کے) بت خواہشات زندگی کے لیے (دولت کی دیوی سے کالی دیوی تک) زندگی کی مادی تعبیر اور اس کے چہرے پر تلک یا قشقہ، زیادہ سے زیادہ رنگوں کی خود ساختہ اور وضعی علامات کا روپ یا بہروپ ہیں جبکہ مذاہب کی دنیا کی تبدیلی اور اس کا روحانی

انقلاب ہے۔ جسے اسلام تصدیق قلب بناتا ہے۔ یہ دل کی بیماری نہیں، دل کی بیداری ہے۔ عصر حاضر کے مفکر اقبال بتاتے ہیں کہ

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کا چارہ

مذاہب عالم میں ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ مذہب، پیغمبر کے وجود اور شہود دونوں کا جامع اور منبع ہے۔ گویا مذہب الہام و پیغام خداوندی کا ظہور ہے جو پیغمبر کا مشاہدہ اور وحی ہے۔ یہی پیغام اور شریعت پیغمبر کی پیرو امت (Followers) کا لائحہ زیست ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں پیغمبر کی ذات اور خدا کا پیغام نہیں، وہ الہام نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مذہب کی تعریف اور دائرے میں نہیں آتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عقل کی مدرکات اور خواہش نفس کے محرکات، مذہب نہیں بلکہ تہذیب نفس ہی مقصد حیات اور پیغمبر کی ذات اور اس کا پیغام ہے۔ ہندویت (Hinduism) اصل میں ہندومت ہے یا زیادہ سے زیادہ ہندو کی مت (Mentelity) ہے۔ اور یہی ہندو کتب کے اخذ و مطالعہ کا حاصل بھی ہے۔ ہندویت عقل وخرد کی منصوبہ بندی سے صدیوں کا سفر ہے۔ جو تعقلی وجدان تک کے دائرہ کے گرد، طوافِ جاں ہے۔ یہاں مادی غلبہ یا حالت سکر ہے نہ کہ مادیت پر غلبہ ہے جو حالتِ شکر ہے۔ اور یہی ازل سے عقل وخرد اور قلب ونظر کا معرکہ کفر واسلام ہے جسے اقبالؒ نے بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے کہ

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

ہندویت (Hinduism) برعظیم جنوبی ایشیاء کی قدیم تہذیب ہی نہیں بلکہ عالمی تاریخ میں بھی اسے قدیم ترین تہذیب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جس کی روایات کا ارتقاء اور اس کی پیروی کی تاریخ زمانہ ماقبل از تاریخ تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاہم غور طلب امر یہ بھی ہے کہ ہندو تہذیب کی اٹھان اور اس کے پروان چڑھنے میں ایک ہی خطہ برعظیم پاک و ہند ہی محدود و مسدود بلکہ منسلک نظر آتا ہے۔ جہاں پر نسل در نسل اس تہذیب سے وابستگی کے آثار اور پیوستگی کے ظواہر بھی ایک منفرد تاریخ بلکہ تحریک ہیں

جو سالوں کا نہیں، صدیوں کا سفر ہے اس کی تہہ میں کیا راز ہے جو زمانہ ماقبل تاریخ سے تا حال زمانہ کی رفتار کا ساتھ دیتی چلی آ رہی ہے اور وہ بھی بڑے مؤثر انداز میں یہ مطالعہ و تحقیق ہی واضح ہوگا۔

ہندویت کیا ہے؟ اس کی تہذیبی تاریخ کیا ہے؟ اور اس تہذیب کے احوال و افکار کیا ہیں؟ جو اسے دیگر تہذیبوں سے ممیز کرتے ہیں؟ یہ وہ امور ہیں جنہیں جانے بغیر، ہندویت (Hinduism) پر کام یا کلام یقیناً ادھورا رہے گا۔ لیکن ہندویت کے تہذیبی اثرات کے علاوہ تاریخی اعتبار سے جو مشکل ہمیشہ سے علمی دنیا کا معمہ بنی رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطے میں دیگر مذاہب اور تہذیبوں، خاص طور پر دین اسلام اور سکھ دھرم بلکہ مسیحی مذہب کی طرح، ہندویت میں ایک پیام بر، ایک کتاب یا ایک ہی شخصیت کی مستند اور مسلمہ رہنمائی کی مرکزیت یکسر ہے ہی نہیں اس لیے کس چیز کو ہندویت قرار دیا جائے؟ جس کی وجہ سے اس کی پڑتال یقیناً صبر آزما مراحل تحقیق ثابت ہوئے ہیں۔ جبکہ اسے مذاہب عالم اور تقابل ادیان تک میں۔ ایک مذہب شمار کر کے زیر بحث لایا جاتا ہے وجہ علمی ہی نہیں، معروضی بھی ہے کہ اکیسویں صدی میں بھارت کے دارالحکومت دہلی کے ایک موقر اخبار کی خبر و نظر ہے:

> ''ہندو دھرم کی کوئی طے شدہ تعریف یا تشریح نہیں ہے نہ کوئی ایک کتاب ہے نہ کوئی ایک معبود ہے، اس لیے جو جس طرح چاہتا ہے عمل کرتا ہے جو چاہتا ہے رویہ اختیار کرتا ہے''۔ (۱)

ہندویت قدیم تو ہے ہی مگر بہ اعتبار پیروی عظیم بھی ہے کہ تعطل کے طویل وقفوں کے باوجود اس کا تاریخی تسلسل برقرار رہا اور موثر و متحرک اس قدر کہ جین مت کے قابل قدر افکار اور بدھ مت کے مضبوط یا مستحکم اقتدار کو بھی، اپنے عقائد کے تنوع اور ان کی تعبیراتی وسعت کی دانشمندانہ حکمت عملی کے باعث اپنے سماجی ڈھانچے میں ضم کر چکی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ سامی مذاہب کی طرح قدیم ہونے کے ساتھ ساتھ جدید بھی ہے جسے نظر بہ ظاہر ___ جاندار بھی کہا جا سکتا ہے۔ وجہ تاریخی ہے کہ بدیہی مگر ہے یہی کہ یہ اپنے روایتی تشخص پر سمجھوتہ کیے بغیر صدیوں پر محیط معاشرتی مصائب اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں سے اپنا راستہ نکالتے ہوئے آج بھی کروڑوں انسانوں کی تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی پہچان ہے جس پر وہ شرمسار نہیں ہیں بلکہ فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں۔

ہندویت ایک مذہب

یہی وجہ ہے کہ علم اور قلم کی دنیا میں ہندویت کو بطور مذہب (دھرم) بھی زیر بحث لایا گیا ہے مگر ہندویت کے محققین (کیا قدیم اور کیا جدید) اسے بطور ہندو مذہب زیر بحث لا کر مشکلات کا شکار نظر آتے ہیں جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ تحقیق کی دنیا میں ابلاغ ادیان اور تقابل ادیان کا موضوع ویسے ہی نزاکت اور حساسیت سے مملو ہوتا ہے اور ہندومت تو اپنی سطحی چکناہٹ اور صناعیاتی لچک کے باعث تحقیق کار کے فہم و بیان کی صلاحیتوں کی گرفت سے پھسل پھسل جاتا ہے۔ نتیجتاً بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ہندویت کو بطور مذہب زیر بحث لا کر اس کو کوئی حتمی تعریف پیش کر پائے ہیں۔ حالانکہ ہندویت پر تحقیق کے سلسلے میں خود ہندو مفکرین کے علاوہ کثیر مستشرقین اور مسلمان علماء کے نام گنوائے جا سکتے ہیں لیکن اس طرۂ پر پیچ وخم ہیں کہ کھلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ نتیجتاً بذات خود یہ امر آج تک تشنۂ تحقیق ہے کہ ہندویت فی الواقعہ کوئی مذہب بھی ہے کہ نہیں۔ ایک وجہ تو فطری ہے ممتاز مذہبی متکلم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے سچ لکھا کہ

> ''انسان جس مذہب پر ایمان رکھتا ہو اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے ساتھ بہت کم انصاف کر سکتا ہے۔ یہ ایک کمزوری ہے جو انسانی طبائع میں عام ہے''۔ (۲)

ادھر مذہبی محققین اور مذہبی گروہوں میں تعصب اور تنگ نظری کی بدترین روش، خود تاریخ مذہب (History Of Religins) کا ہمیشہ سے تکلیف دہ باب رہا ہے مگر یہ تو تقابل ادیان کے مباحث کی مشکلات ٹھہریں۔ رہا ابلاغ ادیان کا معاملہ (خواہ یہ کوئی سا دین، دھرم ہو) تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب سراسر عقیدہ و عقیدت کی دنیا ہے جو زیر بحث لائے جانے کے لیے صرف اور صرف بے تعصبی اور حسن نیت کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس کے لیے حق وصداقت کی تلاش کا سچا جذبہ اور مطالعہ و تحقیق کے لمحات میں ادب واحترام کے احساسات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح حسن نیت کی برکت سے قلب ونظر کو اتنی وسعت عطا ہو جاتی ہے کہ وہ حق جہاں جتنا اور جیسا ہو اسے پا سکے اور اس کی قدر کر سکے کیونکہ مولانا مودودی ہی کے بقول عالمی مذاہب کی دنیا میں واقعہ یہ ہے کہ حق وصداقت کی روشنی

کم وبیش سب جگہ موجود ہے۔(۳)

مگر ہندویت (Hinduism) کی اصل مشکل یہ ہے کہ اس کے اساسی مآخذ سنسکرت زبان میں ہیں اور اس کی تاریخ کے ادوار (Period) بھی صدیوں پر محیط ہیں جبکہ اس کی پیرو قوم کے خود اپنے ہاں مختلف مسالک (School of thought) کی بھی کوئی کمی نہیں جو اپنے عقائد و نظریات اور رسوم ورواج کے تضاد کی بنا پر اپنے اپنے جزیروں میں محصور ہیں اور بدقسمتی یہ کہ یہ جزیرے ہمیشہ ایک دوسرے سے دور دور رہے ہیں۔ معاشرتی روابط اس کے انقطاع سے کوئی اور فرق پڑے یا نہ پڑے فرقے تو پڑے ہی ہیں۔ لیکن ہندویت کو زیر بحث لاتے ہوئے اصل سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے مذہب ہی کیوں؟ وجہ معروضی ہی نہیں واقعاتی بھی ہے کہ کسی ایسی قوم اور اس کے تہذیبی ارتقاء میں اس کے عقائد ونظریات اور عملی روش کا تجزیہ کیا جانا چاہیے۔ جو بیک وقت قدیم بھی ہے اور جدید بھی! جب کہ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ حیات و کائنات اور اس کے ادراک وایقان کے لیے انسانی طرز عمل کے خدوخال واضح کرنے میں فی نفسہ مذہب (خواہ یہ کوئی سا مذہب ہو) کے قلم درقلم یا سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے عقائد روایات اور رسوم کا تسلسل ہی تو ہے جو ایک نشان راہ اور مینارۂ نور کی حیثیت سے محقق اور مورخ کو منزل پر پہنچنے کے لیے واضح سمت دان کر دیتا ہے۔

ہندویت (Hinduism) کیا ہے؟

ہندویت کی تہذیبی تاریخ کیا ہے؟ اس کا فکری عمق کیا ہے نیز اس کے عقائد ونظریات کا اصلی اور نسلی پس منظر کیا ہے۔ ان امور پر اظہار خیال میں غیر ہندو ہی کیا خود ہندو محققین کو حد درجہ مشکلات کا سامنا ہے۔ جس کی حتمی وجہ یہ ہے کہ ہندویت ان معنوں میں کوئی مذہب ثابت نہیں ہو پایا جن معنوں میں عام طور پر یہ لفظ بولا یا لکھا جاتا ہے لیکن چونکہ دیگر مذاہب کے برعکس ہندویت میں ایک مرکزی عقیدہ ایک مرکزی شخصیت یا ایک ہی مقدس کتاب یا کسی بھی قسم کی مرکزیت پر اجماع یا اجتماع نہیں ہے۔ اس لیے ہندویت ایک دھرم (مذہب) کا سوال ہنوز تشنہ تحقیق ہے یہاں تک کہ اس کی جامع تعریف کرنا یا لکھنا ہندویت کے ودوانوں (محققین) کیا جدید اور کیا قدیم دونوں کے لیے حل

طلب مسئلہ بنا رہا اور بنا ہوا ہے۔اس ضمن میں متقدمین اور متاخرین ہر دور کے محققین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بخوبی واضح ہو سکے گا کہ معاملہ کس قدر پیچیدہ بلکہ ژولیدہ ہے۔

ہندویت کی تعریف

محققین کو ہندویت کی جامع تعریف پیش کرنے میں خود ہندویت کی طرح متنوع تعریفیں سوجھی ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ

''ہندو مذہب وہی ہے جو ایک ہندو کرتا ہے'' (۴)

کسی کا کہنا ہے کہ

''وہ ان رسوم، عبادات، عقائد، روایات اور صنمیات (Mythology) کا مجموعہ ہے جن کو براہمنوں کی تعلیمات نے پھیلایا ہے''۔(۵)

ہندویت کی جامع تعریف کی یہی مشکل ہے جس پر ایک مستشرق سکالر کا یہ قول صادق آتا ہے جس نے لکھا ہے کہ

''آپ یہ سمجھ لیں کہ ہندویت کا بانی ایک بہت بڑا گروہ ہے جس کی شخصیات تاریکی میں چھپی ہوئی ہیں''۔(۶)

یہی وجہ ہے کہ ہندویت کے مطالعہ میں سب سے پہلے جو مشکل پیش آتی ہے وہ ہے ہی یہی کہ

''وہ کسی چیز کو ہندویت قرار دیں کیونکہ ہندویت ان معنوں میں کوئی مذہب ہی نہیں کہ جن میں عموماً یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے''۔(۷)

اس میں مختلف گروہ، عقائد طریقے اور یہاں تک کہ کتب بھی مختلف ہیں مگر اس کے باوجود تمام گروہ کہلاتے ہندو ہیں۔ یہ امر عملی زندگی اور مخلوط معاشرے میں کس قدر دشواری کا سبب بنتا ہے اس کی ایک جھلک ذیل کی تعریف سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔جس میں مردم شماری کے ایک موقع پر ہندو کی یہ تعریف کرنا پڑی کہ

''وہ تمام باشندگان ہند، جو اسلام، جین مت، بدھ مت، مسیحیت، پارسی مذہب، یہودی

مذہب یا دنیا کے کسی دوسرے مذہب سے تعلق نہیں رکھتے اور جن کا طریق عبادات واحدانیت سے لے کر بت پرستی تک محیط ہو، اور جن کے دینیات مکمل طور پر سنسکرت میں لکھے ہوں، ہندو ہیں''۔(۸)

ایسی صورت حال میں، ہندویت میں کسی وحدت اور مرکزیت کی تلاش یقیناً سعی لا حاصل ہے۔ معاملہ عقائد و عبادات کو ہو کہ سماجی رسوم و رواج کا کسی پہلو سے بھی ہندوؤں کے مابین کامل اتفاق، یک رنگی اور اتحاد نہیں پایا جاتا۔ خود ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسے فلسفی اور محقق کو ہندویت پر اپنی تفصیلی بحث سمیٹتے ہوئے یہ کہنا پڑا۔

''اسے زندگی گزارنے کا طریقہ کہنا زیادہ انسب ہوگا اس کے مقابلے میں کہ آپ اسے کسی خاص عقیدہ وخیال کا حامل سمجھیں۔ اگر خیالات کی دنیا میں یہ لوگوں کو پوری آزادی دیتا ہے تو دوسری طرف لوگوں کو ملک کے باضابطہ رسوم و رواج کو پورا کرنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ خدا کو مانتے ہوں یا نہ، سب اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کی تہذیب اور اطوار زندگی پر عمل پیرا ہوں''۔(۹)

جن لوگوں نے ڈاکٹر رادھا کرشنن کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہندویت کی تاریخ، فلسفہ، عبادات، رسوم و رواج پر ان کا تحقیقی نکتہ نظر مجملاً اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ

''ہندویت کسی خاص مضبوط اور مستحکم عقیدے کا مذہب نہیں بلکہ وسیع اور پیچیدہ ہے البتہ روحانی تجربات اور خیالات کا ایک عظیم مجموعہ ضرور ہے اور زمانہ قدیم سے انسانوں کی خدا تک رسائی کی کوششوں کی روایات کا تواتر ہے۔ اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے کہ جس کے نتیجے میں ہندو مذہب بہت سے مسائل اور تقریباً بے انتہا گوناگوں رنگوں کا منقش پردہ بن گیا ہے''۔(۱۰)

اس لیے اگر ہندویت کے محققین سے اس کی جامع تعریف اور توصیف کا مطالبہ کریں یا اس سلسلے میں ان کی محققانہ روش کا ملخص دریافت کریں تو جواب حتمی صورت میں اس سے زیادہ مختلف نہیں کہ

''حقیقت یہ ہے کہ جس بات کو ہندو دھرم سے موسوم کیا گیا ہے اس کا تعلق دھرم سے نہیں بلکہ

ایک تاریخی سفر ہے جس کی بہت سی کڑیاں گم ہیں۔ اور بہت سے حقائق تاریخ کے پردے میں پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ تاریخی روایات کا جو سلسلہ ویدوں کے زمانے سے کچھ رسم ورواج کو ساتھ لے کر شروع ہوا تھا۔ اس میں بہت کچھ حک واضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس کے رسم ورواج کو اور خیالات وتصورات کو اپنے اندر ضم کرتا چلا گیا۔ اور زمانہ حال تک یہی اس کا مزاج ہے'' (۱۱)

گویا ہندو یت، ایک دھرم سے زیادہ ایک تہذیب یا اس کی تاریخ ہے۔ اب تاریخ سے ہندویت کیا اور ہندو کون؟ کا سوال پوچھا جائے تو تین بنیادی توضیحات زیر بحث آ کر رہیں گی۔

طریقہ تحقیق

۱۔ اولاً: یہ کہ تاریخ میں ہندویت کی عملی صورت کیا تھی۔

۲۔ ثانیا: یہ کہ اس کے عقائد کی روشنی میں اعمال یعنی پوجا پاٹ کی موروثی، مورت کیا تھی ____ اور ____

۳۔ ثالثاً: یہ کہ اس کی پیروی اور تسلسل کے وہ کون سے عوامل ہیں جو اسے زمانہ حال تک بدستور لیے چلے آ رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہندویت، ایک دھرم یا تہذیب کا سوال گھوم پھر کر تاریخ ہی کے غار میں جا پڑتا ہے اور یہی اس کی پہچان بلکہ جان ٹھہری۔ اس امر کی تائید ایک ہندو فلسفی نے بصراحت خود کی ہے کہ

''ہندویت کی بنیاد کسی شخص (خاص) پر نہیں رکھی گئی بلکہ وہ موروثی خیالات واحساسات جو آباء واجداد سے منتقل ہوتے ہوتے موجودہ نسل تک پہنچے ہیں وہ سب ہندو وجود کا جزو ہیں۔ اس طرح ہر قوم اور نسل کا مشترک طور پر اس میں حصہ ہے''۔ (۱۲)

چنانچہ طے پایا کہ ہندویت (Hinduism) کو دھرم کے طور پر تاریخی تسلسل اور وراثتی پیروی کے اعتبار سے ہی زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔ اس میں نظریات وعقائد، فلسفہ وعبادات اور افکار و اطوار تو آگے چل کر زیر بحث آئیں گے۔ اس بات کا حل کہ ہندویت ہے کیا؟ صرف یہ ہے کہ اسے مذہب کی دنیا اور ان کے تقابلی مطالعہ وتجزیہ کے روایتی ہتھیار اور تحقیقی معیار سے دیکھنے اور پرکھنے کی

بجائے ، ہندو کیا ہے؟ کے رخ پر صدا دی جائے تو یہ مشکل آسان بھی ہو جاتی ہے اور حقیقت کے قریب تر بھی! وجوہ اس کی یہ ہیں کہ مذاہب کی دنیا میں ہمیشہ عقیدہ وعقیدت کے ساتھ ساتھ مقصد حیات وکائنات کے بارے میں عقائد ونظریات نیز انسانی زندگی کے عملی رویے پر ان کی گہری چھاپ کا جائزہ وتجزیہ ہی مطالعہ مذہب کہلائے گا جبکہ مطالعہ مذہب اور تقابل ادیان کا روایتی انداز تحقیق اوامر و نواہی کے منطقی رخ کو نظر انداز کر کے محض معروضی سرگذشت کو زیر بحث نہیں لاتا اس لیے ہندویت کو مذاہب کے پیمانے پر لا کر پرکھنے کی بجائے اس کی اپنی تاریخ کے تسلسل بشمول تعطل وقتی کی روشنی میں کوئی خاص انداز تحقیق اختیار کرنا ناگزیر ہے کہ یہ قدیم بھی ہے اور جدید بھی! جس کی تاریخ میں بہت سی کڑیاں گم ہیں اور اس کی پیروی اور ترویج میں نفر سے مفر کا ٹھپہ بھی لگا ہوا ہے۔ متنوع عقائد ونظریات اور مختلف الطلب مذہبی کتب کے ذخیرہ اور معنوی بے ربطی کی تمام تر شہادتوں کے باوصف، مذاہب عالم اور ان کے تقابلی مطالعہ کے لیے متداولہ تحقیقی انداز، یہاں کام دیتا نظر نہیں آتا اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اس موضوع کو اس کے خصوصی تقاضوں کے عین مطابق، بیان کردہ خصوصی انداز تحقیق کے مطابق زیر بحث لایا جائے کہ جو اس کے حسب سابق ہی نہیں، حسب حال بھی ہے کیونکہ روایتی انداز تحقیق کا یہی درد مشترک ہے۔ جو ہندویت پر کام کرنے والے تمام علمائے قدیم وجدید (دونوں) کے ہاں پایا جاتا ہے۔

بھارت کے نامور رہنما پنڈت جواہر لعل نہرو کا یہ اظہار واحساس بھی اسی مشکل کا آئینہ دار ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

''ہندو دھرم بہت سے اختلافات کا حامل ہے۔ متضاد قسم کے تصورات اور روایات اس میں شامل و داخل ہیں۔ اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندو دھرم کے لیے حقیقی معنوں میں دھرم کا لقب درست نہیں''۔ (۱۳)

ہندویت اگر مذہبی مباحث میں رنگینی اور تاریخ کی کڑیاں گم ہونے کی سنگینی کے علی الرغم عقائد میں مرکزیت یا پیروی کے اعتبار سے متضاد رویوں کی حامل نہ ہوتی تو اسے ایک دھرم (مذہب)

کے طور پر زیر بحث لانے میں کوئی سا امر مانع نہ تھا مگر یہ واقعاتی مشکل ایسی ہے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو، ہندویت کی نسلی روایات کو محل نظر قرار دیتے ہیں تو ان کے نقطہ نظر کی تائید ہندویت کے دوسرے بلند مرتبت مذہبی شارحین کے ہاں سے بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن لکھتے ہیں:

''ہندو مذہب میں ہر قسم کے مذہبی احساسات وجذبات اور رسم ورواج کا ایک مرکب سا بن گیا ہے۔ خدا کے بارے میں کسی بھی قسم کا اعتقاد جو کبھی انسان قائم کر چکا ہو یا جس کا اسے کبھی احساس ہوا ہو اس نے بغیر جھجک کے فوراً اسے قبول کر لیا''۔(۱۴)

حد تو یہ ہے سوامی وویکانند جیسے متبحر ہندو عالم کا کہنا بھی یہی ہے کہ

''ہر قسم کے لوگ مثلاً بت پرست، کئی دیوتاؤں اور دیویوں پر ایمان رکھنے والے، بدھ مت کے پیرو، جو خدا کی ہستی کا نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار، ہندو دھرم میں ایک درجہ رکھتے ہیں''۔(۱۵)

اس تناظر میں یہ امر واقعہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پنڈت جواہر لعل نہرو کا احساس مبنی بر حقیقت ہے کہ

''ہندویت، دھرم کی تعریف میں نہیں آتی''(۱۶)

مگر جو مشکل ہندویت کی تعریف میں لاحق ہے وہی اس کی تاریخ میں بھی درپیش ہے۔ اس کا ایک حل ممتاز ہندو مصنف مسٹر نراد، سی چودھری نے یہ تجویز کیا ہے کہ

''ان مشکلات سے بچنے کے لیے مبتدی کو یہ باور کرنا چاہیے کہ وہ پیشگی اس بات پر ذہنی طور پر تیار ہو جائے کہ وہ ایک ایسے مذہب (ہندو دھرم کے بارے میں جاننے چلا ہے جو منفرد نوعیت اور مختلف حیثیت کا حامل ہے۔ اسے جاننے کے لیے خاص طرز کا مطالعاتی رویہ ہی اسے حقیقت سے قریب تر کر سکے گا''(۱۷)

مسٹر نراد سی چودھری کے اس تحقیقی حل کو اصول بنا کر محقق ہندویت کا مطالعہ وتحقیق کرے اور مطالعہ مذاہب کا معروف ذہنی رویہ ترک کر کے خصوصی انداز سے ہندویت کے افکار اور اس کے تاریخی کردار پر غور کرے تو اس کے بعد بھی گنگا جمنا کے سنگم پر کھڑا ہو کر پنڈت نہرو کی زبان میں یہی کہہ اٹھے گا

کہ

''ہندوازم ایک عقیدہ و نظریہ کی حیثیت سے بالکل غیر واضح، غیر متعین اور بہت سی علتوں والا واقع ہوا ہے جس میں ہر شخص کو اپنی خواہش کے مطابق چیز مل جاتی ہے۔ اس کی تعریف کرنا ممکن ہی نہیں حتی کہ حتمی طور پر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ آیا یہ کوئی دھرم بھی ہے یا نہیں'' (۱۸)

پنڈت جواہر لعل نہرو جدید بھارت کے سیاسی نیتا (لیڈر) ہی نہیں، ایک موروثی ہندو اور خاص کر خاندانی براہمن بلکہ ہندو تہذیب کی جدید پہچان کے علاوہ قلم و علم کی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں اس لیے ہندویت کے بارے میں ان کا حتمی نتیجہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ

''یہ اپنی موجودہ شکل میں اور ماضی کے لحاظ سے بھی بہت عقائد، رسوم و روایات کا مجموعہ ہے، جو بلند سے بلند تر ہیں اور بے وقعت بھی! اس کا لازمی عنصر غالباً رواداری (؟) ہے۔ مہاتما گاندھی نے کوشش کی ہے کہ وہ اس کی تعریف پیش کر سکیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر مجھے کہا جائے کہ ہندویت کی تعریف کریں، تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ اہنسا (عدم تشدد) کے ذریعے سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ ہندوازم سچائی کا دھرم ہے۔ سچائی ہی ایشور ہے۔ ایشور کے انکار سے ہم واقف ہیں لیکن سچائی کے انکار سے نہیں، گویا مہاتما گاندھی جی کے الفاظ میں اہنسا (عدم تشدد) سچائی ہے اور یہ ہے ہندو دھرم! لیکن بہت سے سچے ہندو یہ کہتے ہیں کہ اہنسا دھرم کا نام نہیں، اس لیے باقی صرف سچائی رہ گئی جسے ہندو دھرم کہہ سکتے ہیں لیکن یہ کوئی تعریف نہیں''۔ (۱۹)

ہندویت اور اس کی تعریف و توصیف کی یہی تشریحات ہیں، جن پر غیر ہندو محققین کو سنسکرت زبان، اور ہندویت کے مآخذ تک براہ راست رسائی اور ہندو افکار اور اس کے تاریخی ادوار کی مضبوط گیرائی کے باوصف اعتماد نہیں آیا اور وہ مذہبی تعصب کے بغیر یہ تحقیقی رائے قائم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ

''عقائد کی گونا گونی، طریق عبادت میں اختلاف اور معبودوں کی کثرت کے باعث یہ مذہب (؟) ایک گنجان جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں بہت سے راستے نکلتے ہیں لیکن کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہ ہو''۔ (۲۰)

تو یہ نتیجہ تحقیق حقیقت کے اتنا ہی قریب ہے جتنا خود ہندو محققین کے خود اپنے ہاں کا تاثر جو پہلے زیر بحث آ چکا ہے لہٰذا اس کا اصل اور تحقیقی حل کیا ہے؟

اس مشکل کا مطلوبہ، مؤثر اور حتمی تحقیقی حل یہ ہے کہ ہندویت کے افکار اور اس کے تاریخی ادوار سے رجوع کیا جائے جن سے حقیقت عیاں ہوکر رہے گی ہم تو بس اتنا جان سکے ہیں کہ ہندو تاریخ کے قیاس، عقائدی ارداس اور پوجا کے احساس ہی کا دوسرا نام ہے۔ المختصر ہندویت کی مقدس کتب کے افکار اور اس کے تاریخی ادوار ہی دو قطعی اور مستند ذرائع تحقیق جو اس کی شناخت کراتے ہیں۔

ہندویت کی مقدس کتب

ہندویت کے افکار کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو لگ بھگ (۱۲) کتب ایسی ہیں جن کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے اور جن کی پیروی کے افعال اور تقدس کے احوال، مذہبیت کے طور پر تسلیم کیے جا سکتے ہیں، یہ کتب درج ذیل ہیں۔

۱۔	چار، وید	۲۔	آرنیک	۳۔	اپنشد
۴۔	وایدا نگ ادب	۵۔	شاستر	۶۔	پران
۷۔	سمرتی	۸۔	رامائن	۹۔	مہابھارت
۱۰۔	بھاگوت گیتا	۱۱۔	شتار کر گیتا	۱۲۔	برمبھ سوتر یا ویدانت سوتر

ان جملہ کتب اور ان کے مشتملات پر غور کرنے سے پہلے اس تاریخی تحقیقی اور واقعاتی شہادت کو سامنے لانا ہوگا کہ ان کتب میں پیروی کے تسلسل اور عقیدت کے تعمل میں زیادہ اہم اور قبولیت عامہ کے اعتبار سے قابل توجہ اور موثر طور پر متداول و مستعمل کون کون سی ہیں؟ شکر کی جا ہے کہ یہ مشکل جدید ہندو محققین نے کسی حد تک خود آسان کر دی ہے اور غالب اکثریت کا اجماع اس امر پر ہے کہ ان کے دھرم یا مت کی اساس و بنیاد تین کتب پر ہے۔ یہ الگ بات کہ مسالک(School of Thoughts) کا اختلاف بھی ہے۔ یہ کتب ہیں۔

۱۔	چار، وید	۲۔	بھاگوت گیتا	۳۔	منوسمرتی

ظاہر ہے کہ جب ہندو اکثریت کا مذہبی میلان ان تین کتب کی عقیدت پر مرکوز ہے تو ان ہی تینوں کے افکار کا جائزہ و مطالعہ ہی انسب رہے گا.....

ان کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو افکار کے علاوہ ہندویت کے تاریخی ادوار کا مطلوبہ اور معنوی مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں کتب اپنی تاریخی حیثیت سے تین مختلف ادوار سے تعلق رکھتی ہیں۔ نتیجہ یہ برعظیم میں ہندویت کے ارتقاء فروغ اور پھر غلبہ کے تینوں ادوار اور مراحل کی تاریخی اور واقعاتی شہادت بھی فراہم کرتی ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے، ہندویت تاریخ کی رفتار اور وقت کی پکار کا جس طرح ساتھ دیتی ہے وہ ان کتب کے افکار ہی سے آشکار ہے۔ بلکہ بقول اقبالؒ

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

حقیقتاً یہ کہنا چاہیے کہ ہندو کتب کے افکار اور ان کے تاریخی ادوار، یہ ریت و روایت کی ایک ایسی دو دھاری تلوار ہے جس کی کاٹ نے اس قدیم ترین تہذیب کو موجودہ دور تک زندہ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زد میں آ کر جین مت کی اقدار، بدھ مت کا اقتدار اور چارواک کے فلسفیانہ افکار منہدم ہو گئے۔ بلکہ ہندو مت نے انہیں مکمل طور پر اپنے اندر ضم کر لیا۔ ڈاکٹر رادھا کرشن کے بقول ''ہندو مت نے ایک ہی معانقہ میں بدھ مت کو ہڑپ کر لیا۔ (ویدانت)

وید کیا ہیں

وید، لفظ، سنسکرت کے لفظ ''ود'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں، جاننا یا گیان حاصل کرنا یہ اصل میں چار ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کتب نے خود کو وید کے نام سے موسوم نہیں کیا۔ (۲۱) یہ نظموں (منتروں) کی صورت میں ہیں۔ ان میں (۱) رگ وید (تحمید کا منتر) (۲) یجر وید (پوجا کے بارے میں ہے) (۳) سام وید (سکون و شانتی) اور پھر (۴) اتھر وید (خوشحالی اور فلاح) کی قدیم ترین ترتیب زمانی پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ ان ویدوں کے مستند اور غیر مستند ہونے کے بھی مختلف فیہ مباحث ہیں جو ہندو لٹریچر میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں تک کہ موخر الذکر اتھر وید کے نسخوں کے بارے میں شکوک کی بحث بھی ہے۔ البتہ حتمی رائے، آریہ سماج کے بانی ــــ سوامی دیانند سرسوتی کی

صائب قرار دی جاسکتی ہے کہ اصل میں ''وید تو چار ہیں جبکہ ان کی شرحیں ۱۱۲۷ ہیں جو سا کھشاؤں کے نام سے ریکارڈ ہیں۔ (۲۲)

ویدوں کی تاریخی حیثیت

ویدوں کا تعلق اس دور سے ہے جب آریہ قوم، وسط الیشیاء سے نکل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی۔ یہ ۱۵۰۰ قبل مسیح کا زمانہ بتایا جاتا ہے۔ (۲۳) یعنی الہامی تاریخ میں توریت (حضرت موسیٰ) کے زمانہ کے لگ بھگ۔ (۲۴) یہ وید، حملہ آور آریہ قوم، کے جنگی جذبوں، دشمن سے برتاؤ اور دشمنی کے الاؤ کا پورا تاثر بلکہ اعمال نامہ کہہ لیں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ جنگ کے مقاصد کیا تھے! دشمن سے سلوک کا عندیہ کیا تھا؟ ویدوں کی نظموں (منتروں) میں ان امور پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ (۲۵)

گویا برعظیم جنوبی ایشیاء میں آریہ قوم کے قدوم میمنت لزوم جس انداز میں وارد ہوئے اس کی تاریخی چھاپ بلکہ گھن گرج اس کے منتروں کے الفاظ و معنی ہی نہیں بلکہ اس کی رزمیہ موسیقی کا بھی واضح تاثر رکھتے ہیں۔

وید، سنسکرت زبان میں ہونے کے باعث جدید ہندوؤں کے لیے تقریباً متروک ہو چکے تھے۔ البتہ برطانوی ہند کے دور میں مستشرقین نے ان کو جو انگریزی زبان میں تراجم کیے، ان کی وجہ سے عام ہندو کی ان ویدوں تک رسائی اور شناسائی پیدا ہوئی اور نتیجہ کے طور پر ان ویدوں کو آج جو قبولیت عامہ اور ہندوؤں میں ماننا (عقیدت) کا مقام حاصل ہے وہ سراسر ان مستشرقین کی حرکت اور برکت کا مرہون منت ہے۔ نرادس چودھری اس امر کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ویدوں کا نام اور احترام تھا، مگر وید کی تعلیم کیا تھی؟ اس سے باوثوق کوئی آگاہ نہ تھا۔ اس لیے کہ ویدوں کی (زبان) کسی کے بس کی نہ تھی۔ اور تو اور! ملک کے بعض حصوں میں تو لوگوں نے ویدوں کا نام تک نہیں سن رکھا تھا بلکہ آج بھی یورپ کے مستشرقین نے ویدوں کے جو جو تراجم پیش کیے ہیں فقط انہیں تک رسائی ہے''۔ (۲۶)

جملہ معترضہ کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ جو سنسکرت، ہندو ودوانوں کے بس میں نہ تھی،

ویدوں کی اس زبان تک مسٹر گرفتھ اور مسٹر میکس مولر کی باہمت اور محققانہ شناسائی کے باعث آج جدید ہندو قوم اور ان کے احیائی دانشوروں کو تراجم کی اہمیت کے اعتراف کے ساتھ ویدوں کے دونوں مترجمین گرفتھ اور میکس مولر کو بھی اپنی قوم کی جدید فکری اٹھان اور پہچان کے معمار قرار دے دینے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے ویسے بھی عقیدہ کے اعتبار سے ویدوں کا کلام جاننے کا فی نفسہ مقام ہی فقط معنوی اور موروثی برہمن کے ذہن اور زبان سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے ہندو قوم کو ہر دو مترجمین کو اپنے براہمن طبقے میں شامل و داخل سمجھنا چاہیے کہ جنہوں نے نہ صرف ویدوں تک ہندوں کی رسائی کو عام کیا بلکہ اتنے مقدس کلام کو چھویا اور اس کا ترجمہ کر ڈالا وہ کلام جس اشلوک کی با آواز بلند ادائیگی پاس سے گزرتے ہوئے کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اس کی سزا اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا تجویز کی گئی ہے۔ (۲۷) وجہ تاریخی اور معروضی بھی ہے کہ شودر بہر حال اور بہر طور پر مستقل غلام ہے اور صدیوں کا پلید جبکہ مسلمان سیاسی زوال کے بعد ملیچھ (ناپاک) ہے اور ظاہر ہے انگریزی بہادر کا راج ہندو قوم کے قومی احیاء کا باعث بنا وہ ہندو کا حلیف اور حکمران! یہی گویا ہندو قوم کے مذہبی اور سیاسی احیاء کا بنیادی نکتہ ہے جس پر معاصر بھارت اور اس کے سیاسی و مذہبی رہنما (نیتا) آج بھی گامزن نظر آتے ہیں۔

ویدوں کے افکار

چاروں ویدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان کی تعلیمات میں بنی آدم کی تکریم تو کجا تقسیم کا بندوبست دوامی ہے۔ جو داخلی ہندو نظام میں برہمن، ویش، کھتری اور شودر تو ہے ہی دیگر بنی نوع انسان کو جس طرح دشمن اور دوسرا جانا اور مانا جاتا ہے اس کی فکر اور اساس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''ان ویدوں کی تعلیمات میں دیگر قوموں کو مغلوب کرنے، ہمعصروں میں شجاعت و بہادری کی شہرت حاصل کرنے اور دیگر ممالک پر دبدبہ وشوکت کے ساتھ حکمرانی کرنے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے''۔ (۲۸)

''ویدوں کی اصلیت سراغ نہیں ملتا۔ غالباً ۱۴۰۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح میں ان کو جمع کیا گیا تھا اور یہی وہ

مجموعہ ہے جسے لاکھوں ہندو اب بھی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سنسکرت جس میں یہ مناجاتیں اور حمدیہ نظمیں لکھی گئی ہیں۔ ایک سادہ، سہل منقبط، منظم اور بہت ہی کثیر اللغات زبان ہے''۔(۲۹)

بھاگوت گیتا

بھاگوگیتا، مہابھارت کا حاصل کتاب ہے۔ گیتا، گیت (گانا) کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لغوی اور معنوی ہر دو اعتبار سے بھاگوت گیتا کا مطلب ہے ''خدا کا گانا'' تاریخی اعتبار سے یہ اس دور کی کتاب ہے۔

''جب شمالی ہند پر آریوں کا مکمل تسلط وغلبہ قائم ہو چکا تھا۔ تفوق و برتری کے لیے آریوں ہی کے دو خاندانوں (کوروؤں اور پانڈووں) میں باہمی کشمکش اور حصول اقتدار کے لیے جنگ ہو رہی تھی''۔(۳۰)

بھاگوت گیتا اصل میں کیا ہے؟ میدان جنگ میں دوبدو فوجوں کی کیفیت کے درمیان کرشن جی مہاراج کا رزمیہ خطاب (اپدیش) ہے۔ جس کے مخاطب ان کے چیلے (مرید) ارجن ہیں۔ یوں تو اس کتاب میں ہندو فلسفہ اور تصوف کے بھی بیسیوں مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن اس کا مرکزی نقطہ جنگ، آمادگی پیکار اور جنگی جنون پیدا کرنا ہے جس میں

''ایک پست ہمت، سپاہی کو جنگ پر ابھارنے اور اس کے خون ریزی سے بیزار دل میں رزم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کا شاہکار ہے''۔(۳۱)

بھاگوت گیتا میں دشمن سے سلوک اور سلطنت کو وسعت دینے کے عندیے اپنے عروج پر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہندوؤں میں عقیدہ اور عقیدت کے اعتبار سے اس کتاب جو درجہ اور قبولیت حاصل ہے اس کی بنا پر جوع الارض (توسیع پسندانہ عزائم) کے لیے ان کے اپنے نام پر اور کام کی وجہ سے یہ بھاگوگیتا گویا خدائی کلام اور الہامی گیت کے درجے پر ہندوؤں کو جو مذہبی مہمیز لگاتی ہے وہ دوسری قوموں اور انسانوں کے بارے میں ان کے تاریخی پس منظر کے موروثی ورثہ کا ایک مبسوط سرچشمہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے بھی ہندویت (Hinduism) ایک دھرم کا حتمی جواب ملتا ہے۔

بھاگوت گیتا کے افکار

بھاگوت گیتا میں ارجن کے رحمدلانہ جذبات (مذہب) پر کرشن جی مہاراج، جس طرح کا جوشیلا درس (اپدیش) ارشاد فرماتے ہیں وہ بھاگوت گیتا کے ابتدائیہ اور اس کے اصلی متن سے واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ تصوف کے رسیا نجانے کیوں اس حصے سے اکثر صرف نظر کر جاتے ہیں۔

منوسمرتی

منو، کوشل خاندان کا بادشاہ تھا جس نے ہندو قوم کے لیے ۸۸۰ قبل مسیح میں قانون کا ایک مجموعہ مدون کیا جسے منو،شاستر (منظم و مربوط قوانین کا فلسفہ) بھی کہتے ہیں۔ (۳۲)

منوسمرتی اصل میں ہندوؤں کے اجتماعی قوانین کا ایک مدون مجموعہ ہے۔ اس کا تعلق اس تاریخی دور کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے جب ہندوستان پوری طرح آریہ ورت بن چکا تھا۔ یعنی غیر آریہ اقوام (شودر، گونڈ اور بھیل) کالے رنگ کے مقامی باشندوں کی طاقت اور مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اس ملک پر آریہ تہذیب اپنے جوبن بلکہ پورے عروج پر تھی۔ بہر حال یہ امر زیادہ توجہ طلب ہے کہ

> ''منوشاستر یا منوسمرتی کے احکامات و قوانین ہندو قوم اور سلطنتوں میں چودہ سو سال سے معمول بہ ہیں'' (۳۳)

جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ واضح ہے کہ یہ قوانین ہندو معاشرہ اور سلطنت کے استحکام کے لیے تاریخی تسلسل اور روبہ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی تقدیس کا درجہ بھی رکھتے ہیں، یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں درج قوانین اور اصول، ویدوں کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں اور

> ''ویدوں کی تعلیمات اور ان کے مابین وہی رشتہ ہے جو جسم انسانی اور روح انسانی کے مابین پایا جاتا ہے'' (۳۴)

گویا ویدوں کی تعلیمات اگر نظریات و افکار ہیں تو ان کی عملی صورت اور تجربہ کے لحاظ سے منو سمرتی اس کا لائحہ عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ہندو مت کا دستور حیات بھی ہے اور دستور العمل بھی! اس نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو ویدک عہد سے قانونی عہد تک کی ہندو تاریخ اور اس کے تہذیبی ارتقاء کا

حاصل بلا شبہ منوسمرتی تو قرار دیا جا سکتا ہے۔

منوسمرتی کے افکار

منوسمرتی کے ادھیائے (رہنما اصول اور عملی طریقے) کا تحقیقی مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ منوسمرتی بھی ہندوراشٹر (سلطنت) کے لیے توسیع پسندانہ عزائم اور بالا دستی کے اقدامات کا فکری اثاثہ اور عملی چارٹر ہے جس میں دیگر بنی آدم اور ممالک کی تسخیر وران پر غلبہ اور تسلط گویا ایک مذہبی فریضہ اور بقائے قوم اور ہندو سلطنت کے استحکام کی ایک طے شدہ حکمت اور منشور ہے۔ جس کے دھیمے انداز میں مربوط، مسلسل اور منظّم طریقے سے منصۂ شہود پر روبہ عمل لایا جاتا ہے جو مذہب کا روپ نہیں عقل کی منصوبہ بندی ہے۔ بقول اقبال

عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم　　　عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

حاصل کلام

فی الجملہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ ہندومت، مذہب نہیں ذہنیت ہے جو دل ونگاہ کا مذہب نہیں عقل کا بازار ہے ہندویت (Hinduism) کے تاریخی ادوار اور اس کی مقدس کتب کے افکار بھی اسی عقلی تعبیر اور اس کا تغیر ہے اور ان میں ویدک عہد کے چاروں وید اور تاریخی عہد کی منوسمرتی، ہندویت کا تہذیبی ورثہ اور قومی تشخص کی اساس و بنیاد ہیں جس میں مادی منفعت اور سماجی تمکنت کے ادعا کو عقل وخرد کی تدبیر اور تدبر سے دیگر بنی آدم پر نسلی اور وطنی برتری حاصل ہے اور اس نسلی تفاخر سے انہیں دوسروں پر حکمرانی کا پیدائشی حق بھی حاصل ہے۔ یہی خوئے سلطانی ہندومت کی تہذیبی میراث ہے جبکہ ہندومت (Hindu Mentality) ہے نہ کہ مذہب (Religion) ایک ممتاز مستشرق کی تحقیق بھی اس امر کی تائید وتصدیق کرتی ہے ان کے اپنے الفاظ میں:

" In truth, it may well be concluded that Hinduism is simply not a "Religion" in our sense of word" (35)

جس کا مقصد و مطلب عقل کی امامت و رہنمائی کا مادی نظریہ حیات ہے۔ اس میں کوئی سا

اعلیٰ و ارفع انسانی نصب العین میسر آئے تو کیونکر؟ کہ عقل بہر حال وہم و اوہام کی دیو مالائیت اور نتیجتاً صنمیات (Mythology) کا نگار خانہ اور بت خانہ بنا کے رہتی ہے جبکہ مذہب زین وقتی و الہام کا فیضان اور نتیجتاً کیفیت عشق ہے جو مادی طرز فکر اور طرز عمل کی ضد ہے۔ جس کا مقصد مادیت سے فرار نہیں بلکہ اس کی تسخیر ہے۔ یعنی بے وقعت! ان معنوں میں کہ مادیت ترجیح کی بجائے ثانویت اختیار کر جائے۔ بدیں کیف احساس کہ مادیت حقیقت نہیں بلکہ فنا اور آخر فنا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ

الدنیا خلقت و خلقتم الآخر (؟)

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے

جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے (اقبالؒ)

تہذیب نفس ہی مقصد مذہب ہے جو نفس امارہ کو حیوانی اور مادی لذات کی سطح سے اٹھا کر نفس لوامہ کے مقام تک لاتا ہے جہاں مادیت کی تسخیر کا رویہ اور عمل وقوع پذیر ہوتا ہے جبکہ مادیت پرست کا نفس امارہ نفسانی خواہشوں اور نفسیاتی الجھنوں میں ''تمام عمر خواہشات کی کثرت میں مبتلا رہتا ہے تا آنکہ موت آلیتی ہے''۔ (القرآن/سورۃ التکاثر)

یہ خارج سے لذتوں کا ماحصل ہے کہ وقت نزاع اور دمِ واپسیں آدمی زبان حال سے گویا یہ کہہ رہا ہو کہ

عمر مصروف! کوئی لمحہ فرصت ہو عطا میں تو خود کو بھی میسر نہیں ہونے پایا

مادیت کا تابع اور مادیت کا فاتح، ہی وہ اصلی اور حقیقی فرق ہے جو مذہب اور لامذہب کی فطری تقسیم ہے۔ باوجودیکہ ہندومت کی مقدس کتب میں خدا، مادہ، روح اور تصوف، فلسفہ کے بیسیوں مسائل اور طریق کا تذکرہ وتبصرہ بھی ہے مگر ان سب کا حاصل کوئی اعلیٰ وارفع نصب العین کیوں نہیں؟ اور تو اور، بنی نوع انسان کے لیے راحت و رحمت بننے کی بجائے مادی افکار اور عقل کے ہتھیار سے دوسروں کو کھا جانے اور ان پر چھا جانے کے عزائم اور عندیے ہی ہندومت کی پہچان کیوں؟ انہیں روحانی بصیرت (Divine Wisdom) کے دلکش نام سے پیش کرنا بھی ایک حکمت عملی (Practical

(Wisdom) سے ظاہر ہے کہ الفاظ کا رچاؤ، دل کا لبھاؤ بنانا مقصود ہے کہ دوسروں کی مت اس سے ماری جاسکتی ہے ورنہ حقیقتاً یہ تو تدبیر کا گھاؤ ہے۔

وحی و الہام سے محرومی اور ____ عقل، نسل اور شکل کی قیادت پر ____ پیغمبر جیسا اعتقاد و اعتماد، بہر حال مذاہب کا جہاں نہیں! ہندومت کا ہندوستان ضرور ہے۔ ایک معروف محقق اسی مرحلہ پہ وضاحت کے لہجے میں حقیقت کے قریب تر جا کر بول اٹھا کہ

" Hinduism....is not a religion all in the usual sense of a faith having a prescribed dogma and scripture" (36)

پیغمبر اور کتاب کی رہنمائی اور دل کی صفائی ہی روح مذہب ہے کہ جس سے دوسری مخلوقات کی تکریم اور خیر خواہی کی تعلیم مقصد حیات قرار پاتا ہے۔ نہ کہ توسیع پسندانہ عزائم اور دوسروں پر بالا دستی کے اقدامات کی ترغیب و تحریص بلکہ جارحیت کی تلقین! بندۂ مذہب تو سراپا محبت ہوتا ہے جس کا عمل یہ بتاتا ہے کہ ؎ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

وجہ؟ عقلی ہے نہ مادی بلکہ قلبی اور روحانی ہے۔ جبکہ ملکوں کو فوج کشی سے مغلوب و مفتوح بنانا ہندومت ہے! مذہب کا ایک ہی اصول، تسلسل اور تعمل کا حامل ہے کہ ؎ محبت فاتح عالم (اقبالؒ)

یہ مذہب کا کیف بلکہ کیفیت ہے۔ مادہ اور مادیت نہیں کہ نسلی فخر و مباہات اور سماجی تفاخر کی ''عظمتیں'' لاحق ہوں۔ یہ تو عجز و بیکسی بلکہ مادی بیچارگی کا عالم ہے جو مادی اور افرادی طور پر کم تر اور قلیل ہو کر بھی کثرت پر غالب آجاتا ہے۔ الہام و مذہب کا یہ ارشاد کہ

﴿کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله﴾ (القرآن؟)

''عددی اقلیت اللہ کے حکم سے مادی اور عددی اکثریت پر فتح حاصل کر لیتی ہے، غلبہ پا لیتی ہے''

اور نتیجتاً مادیت کی کثرت اپنا منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ تاریخ اور تلمیح دونوں اس کی تصدیق اور تائید کرتی ہیں۔ مولانا ظفر علی خان کا خوبصورت شعر ہے فرمایا:

؎ فضائے بدر، پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں، گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حوالہ جات

۱۔ فکر و نظر، سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۸۸۱، ص ۳۲۷

۳۔ ایضاً، ص ۳۲۹ ۴۔ ایضاً، ص ۳۳۰

۵۔ ایضاً، ص ۳۳۱

۶۔ John Clork Archer.The Great Religion of Modern World (N.D), P-24

۷۔ الجہاد فی الاسلام، ص ۳۳۰ ۸۔ محولہ بالا

۹۔ Dr. Radha Krishanan, The Hidu View of Life, London, Unwin Paperbacks 1980, P-2

۱۰۔ Ibid, Indian Philosophy, Vol. I, P -453

۱۱۔ Jawaherlal Nehru. An Autobiography. London. John Lane the bodely Head, 1936.

۱۲۔ Dr. Radha Krishanan, Indian Philosophy, Op, cit, P-453

۱۳۔ ۳Jawaherlal Nehru, op, cit, P-202

۱۴۔ Dr. Radha Krishanan, Eastern Religions Western Thought, Ibid, P-10

۱۵۔ سوامی وویکانند، ہندو دھرم ایک عالمی لیکچر (شکاگو) امریکہ، ۱۸۹۳ء، ص ۱۰

۱۶۔ Jawaharlal Nehru. The discovery of India. the sigent Press 1946, Colcatta, P-530

۱۷۔ Nirad. C. Chaudhari, Hinduism, New York, Oxford University Press, 1979, P-2

۱۸۔ Jawaherlal Nehru, op. cit, P-530

۱۹۔ Ibid. P -53-54

۲۰۔ مولانا مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۷

۲۱۔ مولانا فاروق حسن، ہندودھرم ایک مطالعہ، مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۳

۲۳۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی، منو کا قانون اور اسلامی قانون، لاہور، سید محبوب عالم پریس، ۱۹۶۸ء، ص ۲۱

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ مولانا مودودی، الجہاد فی الاسلام، حوالہ مذکور، ص ۳۳۲

۲۶۔ Nirad. C. Chaudhari, The Continental of Circe, Roudu Chatto & Wincder, 1965, P-35

۲۷۔ منو کا قانون اور اسلامی قانون، ص ۲۱

۲۸۔ الجہاد فی الاسلام، ص ۳۴۹

۲۹۔ رابن وائز فیلڈ، ریئے گیتوں (عبدالوہد کی شاذلی) لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۲ء، ص ۸۴-۸۵

۳۰۔ الجہاد فی الاسلام، ۳۳۲

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۵۰

۳۲۔ منو کا قانون اور اسلامی قانون، ص ۲۱

۳۳۔ مولانا مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص ۳۵۹

۳۴۔ مولانا فاروق حسن، ہندودھرم، ایک مطالعہ، مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۴۸

۳۵۔ Max Weber, The Religion of India. New Yormk, The Free Press, 1958, P-23

۳۶۔ S.M.Burke, Main springs of India and Pakistan's Foreign Policies, Karachi, Oxford University Press, 1975, P-11

❀❀❀❀❀❀❀